The Nature and Impact of *Shadh Qirā' āt* on Tafsir Literature

Sana Ullah ۞

ABSTRACT

The exegesis of the Holy Qurā'n is subject to specific rules of interpretation derived from Arabic language and other sources. The exegetes have been using several *qirā'āt-e-mutawatirah* as an interpretive tool. Besides these *qirā'āt-e- mutawatirah* there is a type of *qirā'āt* named *qirā'āt-e-shadhdha* which has a considerable impact over the Qur'anic exegesis. This article aims to study different features of this type of *qirā'āt* and their impact on Qur'anic interpretation.

۞ ۞ ۞ ۞ ۞

۞ Assistant Professor, Department of Quran & Tasfeer, Allama Iqbal Open University, Islamabad.

تفسیری ادب پر شاذ قراءات کے اثرات

اصولِ تفسیر میں یہ مسلم بات ہے کہ دو متواتر قراءتیں دو آیتوں کی طرح ہیں۔ ان میں سے کسی ایک قراءت کا انکار قرآن کریم کی آیت کا انکار ہے۔ لہٰذا اگر دو متواتر قراءتوں میں بہ ظاہر کوئی تعارض آ جائے تو دونوں میں تطبیق کی صورت نکالنا ضروری ہو گا، البتہ شاذ قراءت اگر کسی متواتر قراءت کے معارض ہو تو شاذ کو رد کیا جائے گا۔ قراءتیں زیادہ ہونا "اختلافِ تعدد" ہے، "اختلافِ تضاد" نہیں ہے۔

تفسیر میں قراءات متواترہ کی قبولیت میں جمہور علما میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے، لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ زمانۂ قدیم سے تفسیری ادب پر شاذ قراءات کے اثرات ہیں اور یہ شاذ قراءات اکثر ایسی ہیں جن کی تائید دیگر احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ ان شاذ قراءات کے تفسیری ادب پر اثرات اور ان کی نوعیت اس مقالے میں اختصار کے ساتھ پیش خدمت ہے۔

اس موضوع سے متعلق سابقہ علمی و تحقیقی کام

علمائے قراءت نے فن قراءات کے اصول و ضوابط مقرر کیے ہیں۔ انھوں نے قراءت کی تدوین و تہذیب کی، صحیح مشہور اور شاذ قراءت کے اصول و ارکان مقرر کیے اور بڑی محنت سے روایاتِ قراءات کو جمع کیا اور انھیں کتابی شکل دی۔ محمد سعود عالم قاسمی کی تحقیق کے مطابق سب سے پہلے فن قراءت پر جس عالم نے کتاب لکھی وہ امام کسائی ہیں اور ان کے بعد عبید بن قاسم بن سلام (م ۲۲۴ھ)۔ محقق ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن سلام کو پہلا معتبر مصنف قرار دیا ہے۔ انھوں نے اپنی معروف کتاب **النشر في القراءات العشر** میں اپنے پیش رو مصنفین کی ستاون کتابوں کا تعارف کرایا ہے۔[۱]

چوں کہ زیرِ نظر موضوع کا تعلق اختلاف قراءات سے ہے، اس لیے یہاں ان کتابوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن کا تعلق اختلاف قراءات سے ہے۔ علم تفسیر، علم حدیث اور علم فقہ کی قدیم اور مستند کتابوں کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ اکثر مفسرین، محدثین، اور فقہا نے نہایت اہتمام کے ساتھ اختلاف قراءات کو اپنی کتب میں ذکر کیا ہے اور جا بہ جا ان سے استدلال کیا ہے۔ اسی طرح علم نحو کی کتب میں بھی مختلف قراءتوں سے

۱۔ مسعود عالم قاسمی، "فن قراءات کا ارتقاء"، ماہنامہ رُشد (لاہور: ستمبر ۲۰۰۹ء)، ۱۲۔

استشہاد کی مثالیں ملتی ہیں۔[۲] تفسیر کی کتابوں میں تفسیر الطبري (ابن جریر طبری)، التفسیر الکبیر (امام رازی)، الکشاف (زمخشری)، أحکام القرآن (جصاص)، أحکام القرآن (ابن العربی)، تفسیر روح المعاني (آلوسی)، تفسیر الدررلمنثور(سیوطی)، البحر المحیط (ابو حیان اندلسی)، المحرر الوجیز (ابن عطیہ)، تفسیر القرطبي (قرطبی)، التفسیر المظهري (ثناءاللہ پانی پتی)، **تفسیر بیان القرآن** (اشرف علی تھانوی) وغیرہ میں اختلاف قراءات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ علم حدیث کی کتابوں میں **صحیح بخاری** کی کتاب التفسیر میں متعدد قراءتوں کا ذکر موجود ہے، **صحیح مسلم**، **ترمذی** اور **ابوداؤد**، وغیرہ میں بھی مختلف قراءت کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ علم قراءت اور دوسرے عربی علوم کے تعلق یا اثرات کے حوالے سے گذشتہ عرصے میں جو علمی اور تحقیقی کام ہوا ہے۔ اس کا ایک جائزہ مندرجہ ذیل ہے:

امام ابن خالویہ (م۳۷۰ھ) کی کتاب **الحجة في القراءات السبع**، قراءات سبعہ کی توجیہ اور معانی کے بیان پر معتبر کتب میں شمار ہوتی ہے۔ **الکشف عن وجوه القراءات** امام مکی بن ابی طالب القیسی (م۴۳۷ھ) کی معروف کتاب ہے۔ اس کتاب میں مختلف قراءات کے معانی دلائل کے ساتھ واضح کیے گئے ہیں۔ **أثر القرآن و القراءات في النحو العربي**، سمیر نجیب کی کتاب ہے۔ اس کتاب میں قرآن اور قراءات کے نحوی اثرات پر بحث کی گئی ہے۔ کتاب کویت سے ۱۹۷۸ء میں طبع ہوئی ہے۔

أثر القراءات في الفقه الإسلامي، صبری عبد الرؤوف کی کتاب ہے جس میں فقہی احکام سے متعلق ایسی آیات قرآنیہ کو جمع کیا ہے جن میں مختلف قراءات پائی جاتی ہیں، اور ان کی وجہ سے فقہی اختلاف رونما ہوا ہے۔ ریاض سے ۱۹۹۷ء میں طبع ہوئی ہے۔ **النحو القرآني: قواعد و شواهد**، جمیل احمد ظفر کی کتاب ہے جو ۱۹۹۸ء میں مکہ مکرمہ سے طبع ہوئی ہے۔ اس کا موضوع نام ہی سے ظاہر ہے۔ **القراءات و أثر ها في التفسير و الأحكام**، محمد بن عمر بن سالم بازمول کی کتاب ہے جو ریاض سے ۱۹۹۶ء میں طبع ہوئی ہے۔ یہ پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے اور اس میں مختلف قراءتوں کو جمع کر کے، تفسیر پر ان کے اثرات کے اعتبار سے ان قراءتوں کی درجہ

۲- رشید تھانوی، **قراءات قرآنیہ سے استدلال کے مناہج**، مقالہ پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ (اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی)۔

بندی کی گئی ہے۔ ان کتابوں کے علاوہ یونی ورسٹیوں کے تحقیقی مقالات بھی اس موضوع پر موجود ہیں جن میں سے حسب ذیل راقم کی اطلاع میں آسکے ہیں: **القراءات المتواترة وردالشبه عنها**، فصیح اللہ عبد الباقی افغانی، مقالہ ایم اے، ۱۹۹۷ء، کلیۃ اصول الدین، الجامعۃ الاسلامیہ العالمیہ، اسلام آباد۔ **القواعد النحوية في ميزان القراءات القرآنية**، از عبد الحی مقیم گل محمد، مقالہ پی ایچ ڈی، ۲۰۰۴ء، کلیۃ اللغۃ العربیہ، الجامعۃ الاسلامیہ العالمیہ، اسلام آباد، **القراءات في تفسير الكشاف**، ازروح اللہ مجاہد، مقالہ ایم اے، کلیۃ اصول الدین، الجامعۃ الاسلامیہ العالمیہ، اسلام آباد، ۲۰۰۵ء، **القراءات في تفسير البحر المحيط لأبي حيان النحوي**، از رب نواز مقالہ ایم اے، ۲۰۰۷، کلیہ اصول الدین الجامعۃ الاسلامیہ العالمیہ، اسلام آباد، **قراءات شاذہ: شرعی حیثیت اور تفسیر وفقہ پر اثرات**، محمد اسلم صدیق، مقالہ ایم فل، شیخ زاید اسلامک سینٹر، جامعہ پنجاب، لاہور، یہ مقالہ مئی ۲۰۰۶ء میں شیخ زاید اسلامک سینٹر سے طبع ہوا ہے۔ **اختلاف قراءات اور نظریہ تحریف قرآن**، از محمد فیروز الدین شاہ کھگہ، مقالہ ایم فل، شیخ زاید اسلامک سینٹر، جامعہ پنجاب، لاہور، یہ مقالہ جون ۲۰۰۶ء میں شیخ زاید اسلامک سینٹر سے طبع ہوا ہے۔ **تفسیر قرآن حکیم پر اختلاف قراءات کے اثرات کا ایک جائزہ**، از حافظ رشید احمد تھانوی، مقالہ پی۔ایچ ڈی علوم اسلامیہ کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔ مذکورہ تحقیقی کام میں تفسیری ادب پر شاذ قراءات کا مختلف انواع سے جائزہ لیا گیا ہے جب کہ مقالہ ہذا میں شاذ قراءات کے اثرات کی نوعیت پر توجہ مرکوز کی گئی ہے۔

۱-تعارف قراءات قرآنی

قراءات کا لغوی مفہوم

لفظ قراءات جمع ہے قراءۃ کی۔ لغت میں قراء یقرأ سے قراءۃ مصدر سماعی ہے۔ جمہور علماے لغت نے لفظ قراءۃ کو قَرَأَ سے مشتق مانا ہے اور یہ لفظ اگرچہ مختلف معانی میں مستعمل ہے، لیکن تمام معانی میں قدر مشترک کے طور پر (جمع، اجتماع اور ضم) کا مفہوم بھی موجود ہے،[۳] چناں چہ "قرأت الشيئ" کا معنی یہ ہو گا کہ "میں نے فلاں چیز کو جمع کیا اور اس کے بعض کو بعض سے ملایا" تو اس صورت میں قراءات القرآن سے مراد کلمات اور

۳- ابوالفضل محمد بن مکرم ابن منظور، لسان العرب (بیروت: دار الفکر، ۱۹۹۵ء)، ۱: ۱۲۸۔

حروف کو باہم ملانا مراد ہو گا، اس لیے امام راغب اصفہانی[4] نے کہا ہے: "بعض کلمات اور حروف کو بعض کے ساتھ ملا دینا اور جمع کر دینا"[5] اور کلام عرب میں یہ کسی چیز کو اندر سے باہر نکالنے کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ امام ابن قیم الجوزیہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۵۱ھ) لفظ قراءۃ کو قرأ یقرأ سے مشتق قرار دیتے ہیں، لیکن ابن فارس رحمۃ اللہ علیہ[6] قریٰ یقري اور قرأ یقرأ کے مفہوم میں یہ فرق ظاہر کرتے ہیں کہ اول الذکر (مہموز اللام) کا معنی کسی چیز کو مخرج سے نکالنا ہوتا ہے اور قراءۃ القرآن بھی اسی سے ماخوذ ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ قرأ کے مختلف معانی پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس لفظ میں جمع کرنا، یا جمع ہونا اور نکالنا یا ڈالنا دونوں معانی باہم لازم و ملزوم ہیں۔

قراءات کا اصطلاحی مفہوم

علمائے تفسیر نے قراءات کی مختلف تعریفات کی ہیں۔ بدرالدین زرکشی رحمۃ اللہ علیہ[7] (م ۷۹۴ھ) نے قراءات متواترہ اور شاذہ دونوں کی تعریف اس طرح کی ہے۔"القراء ات هي اختلاف ألفاظ الوحي المذكور في كتابة الحروف أوكيفتها من تخفيف وتثقيل وغيرها."[8] (قراءات وہ علم ہے جس کے ذریعے وحی قرآنی کے الفاظ کے اختلاف کا پتا چلتا ہے کہ کون سا حرف کس طرح لکھا جائے گا؛ تخفیف کے ساتھ یا تشدید کے ساتھ، وغیرہ)۔

علامہ محمد بن محمد ابو الخیرہ ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "القراء ات علم بكيفية أداء كلمات القرآن واختلافها بعزوِ ناقله."[9] (یعنی قراءات اس علم کا نام ہے کہ جس میں کلمات قرآنیہ کے ادا کی

۴- الحسین بن محمد بن المفضل ابو القاسم الاصفہانی المعروف بالراغب بہت بڑے ادیب، لغت دان اور مفسر تھے۔ (خیر الدین الزرکلی، **الأعلام** (بیروت: دار العلم للملایین، ۲۰۰۲ء)، ۲: ۲۷۹۔

۵- راغب الاصفہانی، **المفردات في غريب القرآن**، (کراچی، ۱۹۶۱ء)، ۱۱۔

۶- ابو الحسین احمد بن فارس بن زکریا (ت ۳۹۵ھ) بہت بڑے لغت دان اور نحوی تھے۔

۷- بدر الدین محمد بن بہادر بن عبد اللہ الزرکشی (ت ۷۹۴ھ) فقہ شافعی اور اصول کے بہت بڑے عالم تھے۔ (الزرکلی، مرجع سابق، ۶: ۲۸۶)۔

۸- بدرالدین الزرکشی، **البرهان في علوم القرآن** (بیروت: دار الكتب العلمية، ۱۹۹۰ء)، ۱: ۴۶۵۔

۹- ابن الجزری، **منجد المقرئين** (بیروت: دار الكتب العلمية، ۱۹۸۰ء)، ۳۔

کیفیت اور اس کا اختلاف معلوم کیا جاتا ہے جو کہ متصل السند ہو۔) سب سے جامع اور مانع تعریف شہاب الدین قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ (ت ۹۲۳ھ) کی ہے وہ لکھتے ہیں:"علم يعرف منه اتفاق الناقلين لكتاب الله عزوجل واختلافهم في اللغة والإعراب والحذف والإثبات والتحريك والإسكان والفصل والاتصال وغير ذلك من هيئة النطق والإبدال من حيث السماع."[۱۰] (قراءات ایسا علم ہے جس کے ذریعے لغت، اعراب، حذف، اثبات، تحریک، اسکان، فصل، وصل اور ادائی کلمات کی دیگر حالتوں میں کتاب اللہ کے ناقلین کے اتفاق اور اختلاف کا پتا چلتا ہے، یاد رہے کہ اس اختلاف اور اتفاق کا تعلق نقل اور سماع سے ہے۔) جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے استاذ معروف عالم قراءات، عبدالفتاح القاضی کی تعریف مختصر اور جامع اور مانع ہونے کی وجہ سے قابل ذکر ہے وہ لکھتے ہیں:"علم يعرف به كيفية النطق بالكلمات القرآنية وطريق أدائها اتفاقا واختلافًا مع عزو كل وجه لناقله."[۱۱] (قراءات ایسا علم ہے جس سے قرآنی کلمات کے نطق کی کیفیت اور ادائی کے طریقہ کار کا پتا چلتا ہے کہ کلماتِ قرآنیہ کی کون سی وجوہ اتفاقی ہیں اور کون سی اختلافی ہیں اور ہر وجہ (صورت) کی نسبت اسے نقل کرنے والے کی طرف ہوتی ہے۔)

ان تمام تعریفات کو جمع کیا جائے تو مندرجہ ذیل امور سامنے آتے ہیں:

۱۔ علم قراءات کا تعلق وحی قرآنی سے ہے، جیسا کہ اختلاف ألفاظ الوحي القرآني سے معلوم ہوتا ہے؛ گویا علم قراءات، وحی جلی یعنی قرآن کریم کی وحی اور وحی خفی یعنی احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ہے۔

۲۔ علم قراءات، نقل اور سماع پر موقوف ہے نہ کہ رائے اور اجتہاد پر۔

۳۔ قراءات میں اختلافی اور اتفاقی مقامات کا تعین کیا جاتا ہے۔

۴۔ وہ قراءات نقل صحیح سے ثابت ہوں، خواہ وہ متواتر ہوں یا شاذہ ہو۔

۵۔ قراءات کے درمیان اختلاف کی نوعیت اور حقیقت جاننا۔

۱۰۔ شہاب الدین القسطلانی، **لطائف الإشارات لفنون القراءات**، تحقیق: عامر السید (قاہرہ: ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء)، ۱، ۱۵۰۔

۱۱۔ القاضی عبدالفتاح، **البدور الزاهرة** (لاہور: قراءت اکیڈمی، ۲۰۰۱ء)، ۵۔

قراءات کی اقسام:

سند کے اعتبار سے قراءات کی چھے اقسام ہیں:

۱- **متواتر قراءت:** القراءة التي نقلها جمعٌ لا يمكن تواطؤهم على الكذب عن مثلهم إلى منتهاه.[۱۲] (یہ وہ قراءت ہے جس کو ایک ایسی جماعت دوسری جماعت سے نقل کرتی ہو جس کا جھوٹ پر متفق ہونا ممکن نہ ہو۔) متواتر قراءات کے بارے میں امام ابن حاجب (م ۶۴۶ھ) لکھتے ہیں: "القراءات السبع متواترةٌ. لو لم تکن متواترة لکان بعض القرآن غیر متواتر کمٰلِک و مَلِک و نحوها، و تخصیص أحدهما تحکم باطل لاستوائهما." [۱۳] (سات قراءتیں متواترہ ہیں۔ اگر یہ متواتر نہ ہوں تو قرآن کا بعض حصہ غیر متواتر بن جائے گا۔ جیسے مٰلِک اور مَلِک، اور اس طرح کی اور قراءتیں۔ ان دونوں میں سے کسی ایک کو خصوصیت دے دینا غلط ہے، اس لیے کہ یہ دونوں برابر ہیں۔) نیز امام شوکانی (م ۱۲۵۰ھ) **إرشاد الفحول في علم الأصول** میں لکھتے ہیں:

"قرآن اس چیز کا نام ہے جو مصحف میں ہے اور مشہور قرا کا اس پر اتفاق ہے اور جس میں ان کا اختلاف ہوا ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں:

۱: مصحف کا رسم دو مختلف قراءتوں کا احتمال رکھتا ہے، اور یہ دونوں قراءتیں اعرابی حیثیت اور معنی کے مطابق ہیں تو یہ قرآن ہیں۔

۲: اگر مصحف کا رسم ایک کا احتمال رکھے اور دوسری قراءات کا احتمال نہ رکھے، تو پھر دو صورتیں ہیں:

الف: اس غیر محتمل قراءات کی اسناد صحیح ہے اور وہ اعرابی حیثیت اور معنی عربی کے موافق ہے، تو پھر وہ شاذ قراءات ہے، اور اپنے مدلول پر دلالت کرنے میں اس کا حکم خبر واحد کی طرح ہے۔ عام ہے کہ یہ قراءات سبعہ میں سے ہو یا نہ ہو۔

۱۲- عبدالرحمن بن ابی بکر جلال الدین السیوطی، الإتقان في علوم القرآن (مصر: مكتبة الخانجي)، ۱: ۷۷-۸۰۔

۱۳- جمال الدین ابو عمرو عثمان ابن الحاجب، کتاب منتهى الوصول و الأمل في علمي الأصول و الجدل (مصر: مطبعة السعادة، ۱۳۲۶ھ)، ۳۴۔

ب: وہ قراءات جس کا رسم میں احتمال نہ ہو اور اس کی اسناد بھی صحیح نہ ہو تو پھر وہ قرآن نہیں ہے اور نہ اس کو خبر واحد ہی کے درجے میں رکھا جائے گا۔(۱۴)

۲- **مشہور قراءت:** القراءة التي صح سندها ،ولم تبلغ درجة المتواتر، ووافقت الرسم و العربية، اشتهرت عند القراء، فلم يعدوها من الغلط و لا من الشذوذ."(یہ وہ قراءت ہے جس کی سند صحیح ہو، لیکن درجۂ تواتر تک نہ پہنچے، اصول عربیت اور مصحف عثمانی سے ہم آہنگ ہو، البتہ قرا کے نزدیک اتنی مشہور ہو کہ وہ اس کو غلط یا شاذ شمار نہ کریں۔)

۳- **آحادی قراءت:** القراءة التي صح سندها، ولكن خالفت رسم المصحف أو العربية، أو كليهما و لم تشتهر الاشتهار المذكور."(یہ وہ قراءات ہے جو صحیح السند ہو، مگر مصاحف عثمانیہ یا قواعد عربیت کے موافق نہ ہو، یا دونوں کے موافق نہ ہو، اور مذکورہ شہرت کی حامل بھی نہ ہو۔)

۴- **شاذ قراءت:** " القراءة التي لم يصح سندها، أو خالفت الرسم، أولا وجه لها في العربية." (جس کی سند صحیح نہ ہو، یا رسم کے مخالف ہو، یا عربیت کے پہلو سے اس کی کوئی توجیہہ نہ ہو۔)

۵- **مدرَج قراءت:** العبارة التي زيدت بين الكلمات القرآنية على وجه التفسير." (یہ وہ قسم ہے جس میں قرآنی کلمات کے درمیان تفسیر و تشریح کے پیش نظر کسی لفظ کا اضافہ کیا جاتا ہے۔)

۶- **موضوع قراءت:** القراءة نسبت إلى قائلها من غير أصل أي من غير سند مطلقا.(۱۵) (یہ وہ قراءت ہے جو بلا دلیل کسی کی طرف منسوب ہو۔)

۱۴- محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی، **إرشاد الفحول إلى تحقيق الحق من علم الأصول** (بیروت: دار إحياء التراث العربي،۱۴۲۲ھ)، ۱: ۸۲۔

۱۵- السیوطی،**الإتقان** ،۱: ۲۶۵۔

۲- قراءتِ شاذہ کا تعارف

لفظ "شاذ"، "شذوذ" سے مشتق ہے اور اس کا معنی انفرادیت، ندرت، اجنبیت، قلت اور افتراق ہے۔ ابن جنی نے ان میں سے متعدد معانی کو "شذ" مادے کے تحت جمع کرنے کے بعد یہ لکھا ہے: "أما مواضع شذوذ في كلامهم فهو التفرق والتفرد." [۱۶] (کلام عرب میں تمام مقامات شذوذ میں تفرق اور تفرد کا معنی پایا جاتا ہے۔) اسی طرح کہا جاتا ہے: "هو شاذ عن القياس وهذا مما شذّ عن الأصول." [۱۷] (وہ قیاس کے خلاف ہے اور یہ چیز اصول وضابطہ کے خلاف ہے) تو اس سے ثابت ہوا کہ لغوی طور پر قراءتِ شاذہ وہ ہوتی ہے جو منفرد، نادر، قلیل اور عام قراءات سے الگ اور عام قانون ضابطے اور اصول کے خلاف ہو۔ علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے قراءتِ شاذہ کی تعریف یوں کی ہے: "القراء اة الشاذة ما نقل قرآنا من غير تواتر واستفاضةٍ متلقاة بالقبول من الأئمة كما يشمل عليه المحتسب لابن جني وغيره." [۱۸] (قراءتِ شاذہ وہ ہے جو بہ حیثیت قرآن کریم منقول ہو، لیکن نہ تو وہ تواتر سے ثابت ہو اور نہ ہی ائمہ قراءات کے نزدیک اسے قبول عام کا مقام حاصل ہو۔ اس کی مثال وہ قراءات ہیں جو ابن جنی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب المحتسب اور دیگر کتب میں موجود ہیں۔)

دور حاضر کے ماہر قراءات عالم، لبیب السعید کہتے ہیں: "القراءات الشواذ في مصطلح علماء القرآن، هي التي تروى آحادًا، تخالف خط المصحف العثماني، الإمام، ولا يمنع من وصفها بالشذوذ أن تكون صحيحة السند وموافقة العربية." [۱۹] (علمائے قرآن کریم کی اصطلاح میں شواذ قراءات وہ ہیں جو سند احاد سے مروی ہیں اور مصحف امام کے رسم کے مخالف ہیں اور کسی قراءت کا صحیح السند اور لغت عربی کے مطابق ہونا اس کے شاذ ہونے سے مانع نہیں ہے۔) یعنی صحیح سند سے مروی اور عربی کے مطابق قراءت کو بھی شاذ کہا جاتا ہے، شاذ قراءت کے لیے ضعیف السند ہونا شرط نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ شاذ قراءت میں درج ذیل شروط کا ہونا ضروری ہے:

۱- تواتر السند سے منقول نہ ہو۔

۱۶- ابو الفتح عثمان ابن جنی، الخصائص، تحقیق: محمد علی النجار (بیروت: المكتبة العلمية، ۱۹۵۲ء)، ۱: ۹۶۔

۱۷- ابن منظور، لسان العرب، ۴: ۴۹۴۔

۱۸- الزرکشی، البرھان، ۱: ۴۸۱۔

۱۹- السعید لبیب، الجمع الصوتي الأول للقرآن (قاہرہ: دار المعارف)، ۲۲۱۔

۲- امت میں مشہور اور ائمہ قراءات کے نزدیک اسے تلقی بالقبول اور شہرت عام کا درجہ حاصل نہ ہو۔

۳- متواتر قراءات کے اصول اور ضوابط پر پوری نہ اترے۔

قراءات شاذہ کی اقسام

قراءات شاذہ کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں:

۱- وہ قراءت جس کی سند صحیح ہو اور اس کی توجیہ لغت عرب کے موافق ہو، لیکن مصاحف عثمانیہ میں کسی مصحف کے رسم کے مطابق نہ ہو۔

۲- وہ قراءت جس کی سند صحیح ہو؛ عربیت کے مطابق ہو اور رسم عثمانی کے بھی موافق ہو، لیکن نہ تو بہ طریقِ تواتر ثابت ہو اور نہ ہی ایسے طریق سے جو قوت میں تواتر کے مساوی ہو۔[۲۰]

۳- وہ قراءت جس کی سند صحیح ہو، رسم عثمانی کے مطابق ہو اور لغت عربی کے مخالف ہو۔

۴- بعض قراءات ایسی بھی ہیں جن کی اسانید صحیح ہیں، لیکن درحقیقت وہ قرآن نہیں ہیں، بلکہ صحابہ کرامؓ دوران تلاوت میں کسی لفظ کی تفسیر اور تشریح کے لیے بعض کلمات کا اضافہ کر دیتے تھے، جن کو علوم حدیث کی اصطلاح میں "مدرج" کہا جاتا ہے۔

۵- وہ قراءت جس کی سند صحیح نہ ہو، خواہ وہ رسم عثمانی لغت عرب کے موافق ہو یا مخالف، ایسی قراءت بالاتفاق ضعیف اور قابل رد شمار ہو گی۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام قراءات کو موضوع قرار دیا ہے۔[۲۱]

۶- چھٹی قسم ان قراءات کی ہے جو رسم عثمانی اور لغت عرب کے موافق تو ہیں، لیکن سرے سے ان کی کوئی سند نہیں ہے۔ ایسی قراءات کو شاذہ کی بجائے "مکذوبۃ" (جھوٹی) کہا جائے گا۔[۲۲]

۲۰- ابن جنی، المحتسب في تبين وجوه شواذ القراءات والإيضاح عنها (بيروت: دار الكتب العلمية، ۱۹۹۵ء)، ۱:۲۴۵۔

۲۱- السیوطی، الإتقان، ۱: ۱۵۵۔

۲۲- ابن الجزری، منجد، ۱۵۔

۳۔ تفسیری ادب پر شاذہ قراءات کے اثرات

قرآن حکیم کی تفسیر کے سلسلے میں قراءات کو ایک اہم ماخذ کی حیثیت حاصل ہے اور خاص طور پر متواتر قراءات کو نظر انداز کرنا قرآن کریم کے ایک حصے کو نظر انداز کرنے کے مترادف ہے۔

متواتر قراءتیں تو بالاتفاق استنباطِ مسائل اور تفسیر میں اثر انداز ہوتی ہیں لیکن کیا قراءات شاذہ کو بہ طور دلیل، تفسیر اور فقہی احکام میں اختیار کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ فقہا اور مفسرین کی اس بارے میں دو آرا ہیں:

۱۔ قراءاتِ شاذہ حجت ہیں اور ان پر عمل کرنا جائز ہے۔

۲۔ قراءات شاذہ حجت نہیں اور ان پر عمل کرنا بھی جائز نہیں۔

پہلے مذہب کے قائلین احناف[۲۳] اور حنابلہ بھی اسی کو ترجیح دیتے ہیں[۲۴] جب کہ ایک قول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی موقف ہے۔ ان دونوں مذاہب کے مطالعے سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ: قراءات شاذ کو اس وقت بہ طور دلیل اختیار کیا جائے گا، جب وہ کسی حکم کی ترجیح کے طور پر استعمال ہو اور اس وقت اس کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا، جب وہ کسی حکم کی ابتدائی دلیل کے طور پر وارد ہو۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ تفسیر قرآن کریم میں قراءات شاذہ کا کردار بہت اہم ہے۔ اکثر کتب تفسیر میں قراءات شاذہ کی بنیاد پر مختلف آیات سے متنوع معانی کا استخراج کیا گیا ہے اور صحیح سند سے ثابت قراءات شاذہ کی بنیاد پر استخراج کیے گئے معانی دراصل ایک ہی حقیقت کے مختلف پہلو ہیں، جن میں کسی قسم کا تضاد موجود نہیں ہے۔ اسی طرح مفسرین نے قراءتِ شاذہ سے قراءتِ متواترہ کے مفہوم کی وضاحت یا کسی آیت سے پیدا ہونے والے وہم یا ابہام کو دور کرنے کا کام بھی لیا ہے اور یہ قول امام ابن تیمیہ: ہر قراءت اپنے معنی پر دلالت کے اعتبار سے ایک مستقل مفہوم رکھتی ہے۔[۲۵] یہاں ہم شاذ قراءت کے بعض مظاہر کو نمایاں کرنے کی کوشش کریں گے۔

۲۳۔ محب اللہ بن عبدالشکور بہاری، فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت (بیروت: دار الکتب العلمیة، ۲۰۰۲ء)، ۲: ۱۶۔

۲۴۔ تقی الدین ابو البقاء ابن النجار الحنبلی، شرح الکوکب المنیر، تحقیق، محمد الزحیلی و نزیہ حمادہ (ریاض: مکتبة العبیدکان، ۱۹۹۷ء)، ۲۰: ۱۴۰۔

۲۵۔ تقی الدین ابو العباس احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ، مجموع الفتاوی، تحقیق: عبد الرحمٰن بن محمد بن قاسم (سعودیہ: مجمع الملک فهد، ۱۹۹۵ء)، ۱۳: ۳۹۱۔

الف- قرآنی آیات کے متنوع پہلوؤں کو اجاگر کرنا

ایک ہی حقیقت کے مختلف پہلو ہوتے ہیں، مثلاً اس آیتِ کریمہ میں: ﴿ وَقَالَ مَا نَهَىٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَٰذِهِ ٱلشَّجَرَةِ إِلَّآ أَن تَكُونَا مَلَكَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ ٱلْخَٰلِدِينَ ﴾[۲۶] اس میں قرائے عشرہ کی قراءت (لام کے فتحہ کے ساتھ) (مَلَكَيْن) ہے اور ابن عباس کی قراءت (لام کے کسرہ کے ساتھ) "مَلِكين" ہے۔ قراءتِ متواترہ سے مراد فرشتے ہیں یعنی شیطان نے آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام سے کہا کہ: تمھارے رب نے تمھیں اس درخت سے اس لیے روکا ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ۔" اور شاذ قراءت "مَلِكين" کا مفہوم یہ ہے کہ "کہیں تم کو بادشاہت حاصل نہ ہو جائے۔" اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ دونوں معانی ہی مراد لیے جاسکتے ہیں، کیوں کہ شیطان اپنے مقصد کے لیے ہر طرح کا لالچ دے سکتا ہے، یہ تنوع کا اختلاف ہے، تضاد نہیں ہے۔ اس طرح آیت ﴿ وَتَرَى ٱلْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِينَ فِى ٱلْأَصْفَادِ ۞ سَرَابِيلُهُم مِّن قَطِرَانٍ وَتَغْشَىٰ وُجُوهَهُمُ ٱلنَّارُ ﴾[۲۷] میں قرائے عشرہ نے قَطِران پڑھا ہے، یہ متواتر قراءت ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، عکرمہ رضی اللہ عنہ، ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے قَطِرٍ آن پڑھا ہے، یعنی قَطِر الگ کلمہ ہے اور آن الگ ہے[۲۸] متواتر قراءت قَطِران کا معنی بعض علما نے گندھک اور بعض نے تارکول بیان کیا ہے اور شاذ قراءت "قَطِرٍ آنٍ" دو کلمے ہیں، قَطِرٍ کا معنی (تانبا) اور آنٍ دراصل أنا يأني سے اسم فاعل ہے، یعنی حد درجہ گرم اور بعض نے آن کا معنی "ایسی مائع چیز جو حد درجہ گرم ہو" سے کیا ہے[۲۹] تو اس کا معنی ہے "پگھلا ہوا شدید گرم تانبا"۔ یہاں پر متواتر اور شاذ قراءتوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، صرف تنوعِ معانی ہے، تضاد نہیں۔

۲۶- القرآن ۷: ۲۰۔

۲۷- القرآن ۱۴: ۴۹-۵۰۔

۲۸- ابن عادل الدمشقي، اللباب في علوم الكتاب (بیروت: دار الكتب العلمية، ۱۹۹۸ء)، ۱۱: ۴۱۸۔

۲۹- ابن عادل، نفس مرجع، ۱۱: ۴۱۸۔

سورۃ النمل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَإِذَا وَقَعَ ٱلْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ ٱلْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ ٱلنَّاسَ كَانُوا۟ بِـَٔايَـٰتِنَا لَا يُوقِنُونَ ﴾ [30] اس میں قراءت متواترہ "تُکلِّمُھُم" ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابن جبیر رحمۃ اللہ علیہ، ابورزعہ رحمۃ اللہ علیہ، نے اس کو "تَکْلِمُھُمْ" پڑھا ہے۔ ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے "تنبئھم أن الناس کانوا" پڑھا ہے، اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے "تُکْلِمُھُم بأنَّ الناس" پڑھا ہے۔[31] آخری دونوں قراءات شاذ ہیں۔ متواتر قراءت کا معنی ہے: "وہ چوپایا، جو قربِ قیامت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رونما ہو گا، وہ لوگوں سے گفت گو اور کلام کرے گا۔" اور حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی شاذ قراءت "تنبئھم" اس کی مزید تائید کر رہی ہے اور بعض نے معنی کیا ہے: تجرحُھُمْ کہ " وہ چوپایا لوگوں کو زخمی کرے گا" اور ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابن جبیر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی قراءت تکْلِمُھُمْ اس معنی کی تائید کر رہی ہے۔ اس آیت کریمہ کے سلسلے میں بیان کردہ ان معانی پر غور سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں باہم تضاد نہیں، یعنی وہ جانور لوگوں سے گفت گو اور کلام بھی کرے گا اور ان کو زخمی بھی کرے گا۔

اسی طرح آیت ﴿ وَٱلشَّمْسُ تَجْرِى لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ ٱلْعَزِيزِ ٱلْعَلِيمِ ﴾ [32] میں قراءے عشرہ کی قراءت "لِمُسْتَقَرٍّ" ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ، عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ، عطا بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ، کی قراءت "والشمس تجري لا مُسْتقرٍّ لھا" [33] ہے اور یہ رسم عثمانی کے مخالف ہونے کی وجہ سے شاذ ہے۔ قراءتِ متواترہ "لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا" کا معنی ہے کہ سورج اپنے ٹھکانے کی طرف جا رہا ہے، جب وہاں پہنچ جائے گا تو اس سے آگے نہ بڑھ سکے گا اور اگلے روز اللہ تعالیٰ کی اجازت سے پھر مشرق سے طلوع ہو گا[34] اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ کی قراءت کا مفہوم یہ ہے کہ سورج کا کوئی ٹھکانہ اور جائے قرار نہیں ہے، یہ

۳۰- القرآن ۲۷: ۸۲۔

۳۱- ابوعبداللہ محمد بن خالد القرطبی، **الجامع لأحكام القرآن** (دمشق:مکتبة الغزالي)،۵: ۲۵-۲۸۔

۳۲- القرآن ۳۶: ۳۸۔

۳۳- ابن عادل، **اللباب**، ۱۶: ۲۱۷۔

۳۴- القرطبی، **الجامع**،۱۵: ۲۷-۲۸۔

دن رات اسی طرح چلتا رہے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کو لپیٹ دے گا اور بعض نے متواتر قراءت (لمستقر) کی تفسیر یہ کی ہے کہ دنیا میں سورج کے لیے کوئی مستقر نہیں ہے "أي لا مستقر لها إلى يوم القيامة." کہ روز قیامت تک اس کے لیے کوئی جائے قرار نہیں۔ درحقیقت ان دونوں قراءات میں کوئی تعارض نہیں ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَٱلتِّينِ وَٱلزَّيْتُونِ * وَطُورِ سِينِينَ * وَهَٰذَا ٱلْبَلَدِ ٱلْأَمِينِ * ﴾[۳۵]

اس آیت میں قراءت متواترہ "سِينِينَ" ہے، جب کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، ابو درداء رضی اللہ عنہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی قراءت "سِينَاء" (سین کے کسرہ کے ساتھ) ہے۔ یہ قراءت شاذ ہے "سِينِينَ" کا معنی ہے خوب صورت پہاڑ، مبارک پہاڑ؛ بعض مفسرین کے نزدیک اس سے مراد ایک خاص پتھر ہے اور پہاڑ کی طرف اس کی نسبت اس کے قریب پڑے ہونے کی وجہ سے ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ دراصل سینا ہے جو ایک مقام کا نام ہے، یعنی وہ پہاڑ جو سینا کے مقام پر ہے۔ یہاں بھی کوئی تضاد نہیں، کیوں کہ آخری معنی کی تائید قراءت شاذہ سے ہوئی ہے۔

ب- قرآنی آیات سے مستنبط احکام کی وضاحت کرنا

بعض فقہی احکام بھی قراءاتِ شاذہ پر مبنی ہیں اور فقہا نے فقہی احکام میں ان کا استعمال کیا ہے، مثلاً روزوں کی قضا میں لگاتار روزے رکھنے کا حکم قراءت پر مبنی ہے، فرمان الٰہی ہے: ﴿ أَيَّامًا مَّعْدُودَٰتٍ ۚ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ وَعَلَى ٱلَّذِينَ يُطِيقُونَهُۥ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُۥ ۚ وَأَن تَصُومُوا۟ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴾[۳۶] حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہاں "فعدة من أيام أخر متتابعات"[۳۷] پڑھا ہے۔ اسی ضمن میں علمائے کرام میں رمضان میں رہ جانے والے روزوں کی قضا کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا یہ مسلسل رکھے جائیں گے یا الگ الگ بھی رکھے جاسکتے ہیں؟ ابی بن کعب کی قراءت کی رو سے یہ روزے لگاتار ہوں گے اور تین وجوہ سے اس کی تائید ہوتی ہے:

۳۵- القرآن ۹۵: ۱–۴۔

۳۶- القرآن ۲: ۱۸۴۔

۳۷- ابوعبداللہ محمد بن عمر بن حسین الرازی، مفاتیح الغیب (بیروت: دار الکتب العلمیة)،۱: ۱۷۰۔

۱- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "من كان عليه صوم من رمضان فليسرده ولا يقطعه." (۳۸) (جس کسی پر رمضان کے روزے ہوں وہ انھیں مسلسل رکھے اور منقطع نہ کرے۔)

۲- انسان کو چاہیے کہ اللہ کے حقوق کو جس قدر جلدی ممکن ہو ادا کر دے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَسَارِعُوٓاْ إِلَىٰ مَغۡفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمۡ ﴾ (۳۹) (اور اپنے رب کی بخشش کی جانب دوڑ کر چلو۔) یہ جلدی روزوں کو مسلسل رکھنے ہی سے ہو سکتی ہے۔

۳- قضا، ادا ہی کی مثل ہے۔ لگاتار روزے رکھنا جس طرح ادا میں واجب ہے، بالکل اسی طرح قضا میں بھی واجب ہونا چاہیے۔

جمہور فقہا کا خیال ہے کہ روزوں میں تفریق جائز ہے، لیکن لگاتار رکھنا مستحب ہے (۴۰) اور ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول "فعدة من أيام أخر" ہے۔ یہاں اسمِ نکرہ (عدة) مثبت سیاق میں ہے جو کہ اطلاق کا فائدہ دیتا ہے۔ اس آیت میں روزوں کی قضا کا مطلق حکم دیا گیا ہے۔ اگر اس سے مراد لگاتار رکھنا ہوتا، تو اسے صریح الفاظ میں بیان کیا جاتا جیسا کہ "قتل" اور "ظہار" کے کفاروں میں مسلسل روزوں کا حکم دیا گیا ہے: ﴿ فَمَن لَّمۡ يَجِدۡ فَصِيَامُ شَهۡرَيۡنِ مُتَتَابِعَيۡنِ مِن قَبۡلِ أَن يَتَمَآسَّا ﴾ (۴۱) (اور جو شخص غلام نہ پائے وہ دو مہینے کے پے در پے روزے رکھے قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔) اور تفریق کے جواز پر احادیث بھی موجود ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے روزوں کی قضا کے بارے میں

۳۸- ابو الحسن علی بن عمر الدار قطنی، سنن الدارقطني، تحقیق: شعیب الأرنؤوط و آخرون، كتاب الصيام، باب القبلة للصائم، (بیروت: مؤسسة الرسالة، ۲۰۰۴ء)، ۳: ۱۶۹، رقم: ۲۳۱۲

۳۹- القرآن ۳: ۱۳۳۔

۴۰- عبد اللہ بن احمد بن محمد ابن قدامہ، المغني، تحقیق: عبد اللہ عبد المحسن (قاہرہ: ۱۹۹۲ء)، ۳: ۸۸۔

۴۱- القرآن ۵۸: ۴۔

فرمایا"إن شاء فرق، وإن شاء تابع"[۴۲] (چاہے تو تفریق کرے اور اگر چاہے تو مسلسل روزے رکھ لے) ایک اور روایت میں قضاے رمضان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "یقضیه تباعا، وإن فرقه أجزأه"[۴۳] قضا مسلسل دی جائے گی اور اگر تفریق کریں تو جائز ہے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ حَـٰفِظُواْ عَلَى ٱلصَّلَوَٰتِ وَٱلصَّلَوٰةِ ٱلْوُسْطَىٰ وَقُومُواْ لِلَّهِ قَـٰنِتِينَ ﴾[۴۴] مصحفِ عائشہ رضی اللہ عنہا اور املاے حفصہ رضی اللہ عنہا میں یہ آیت اس طرح ہے: "والصلاة الوسطى وهي صلاة العصر."[۴۵] مصحف ام سلمہ رضی اللہ عنہا وحفصہ رضی اللہ عنہا میں واؤ کے بغیر "والصلاة الوسطى صلاة العصر" کے الفاظ ہیں۔ اس آیت میں مختلف شاذ قراءتوں کی بنا پر علماے کرام نے الصلوة الوسطى سے متعدد معانی کا استنباط کیا ہے۔ جمہور علما کے نزدیک اس سے مراد عصر کی نماز ہے۔[۴۶] ایک قراءت جو کہ والصلاة الوسطى صلاة العصر کی ہے، اسے دو مفاہیم پر محمول کیا جائے گا۔

۱- واؤ زائدہ ہو۔[۴۷]

۲- واؤ عاطفہ ہو، لیکن یہ عطف، صفت کا صفت پر ہو نہ کہ ذات کا، جیسا کہ اس آیتِ کریمہ میں ﴿ وَلَـٰكِن رَّسُولَ ٱللَّهِ وَخَاتَمَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ ﴾[۴۸] (لیکن وہ اللہ کے رسول ﷺ اور

۴۲- الدارقطنی، سنن الدارقطني، کتاب الصیام، باب القبلة للصائم، تحقیق: شعیب ارنؤو دیگر (بیروت: مؤسسة الرسالة، ۲۰۰۴ء)، ۳:۱۷۳، رقم: ۲۳۲۹۔

۴۳- الدارقطنی، نفس مصدر، کتاب الصیام، باب القبلة للصائم، ۳: ۱۷۰، رقم: ۲۳۱۷۔

۴۴- القرآن ۲: ۲۳۸۔

۴۵- محمد بن جریر الطبری، جامع البيان عن تأويل آي القرآن (بیروت: دار العلم)، ۵: ۱۷۵۔

۴۶- احمد بن علی ابو بکر الرازی الجصاص، أحكام القرآن، تحقیق، محمد صادق القمحاوی (بیروت، دار إحياء التراث، ۱۴۰۵ھ)، ۲: ۱۵۵۔

۴۷- احمد بن علی ابن حجر العسقلانی، فتح الباري (بیروت: دار المعرفة، ۱۳۷۹ھ)، ۹: ۲۶۴۔

۴۸- القرآن ۳۳: ۴۰۔

خاتم النبیین ہیں) یعنی رسول اللہ ﷺ ہی خاتم النبیین ہیں، پس صلاۃ العصر کہنا الصلاۃ الوسطی کی وضاحت ہے جو کہ نماز عصر ہے۔

احناف نے نماز عصر کے اثبات میں پیش کی جانے والی ان قراءات کو اختیار نہیں کیا، بلکہ انھوں نے اس سلسلے میں وارد شدہ صحیح احادیث کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے، مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ احزاب کے دن فرمایا: "ملأ الله قبورهم وبيوتهم نارا كما شغلونا عن صلاة الوسطى حتى غابت الشمس وهي صلاة العصر." (۴۹) (اللہ تعالیٰ ان (کافروں) کی قبروں اور گھروں کو اس طرح آگ سے بھر دے جس طرح انھوں نے ہمیں صلاۃِ وسطی سے مشغول کر دیا، حتی کہ سورج غروب ہو گیا اور وہ (صلاۃِ وسطی) نماز عصر ہے۔ اس طرح حضرت سمرہ بن جندب سے بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "الصلاة الوسطى صلاة العصر." (۵۰) (صلاۃِ وسطی صلاۃِ عصر ہے۔)

اسی طرح اس آیت کریمہ میں ﴿ وَلَا تُكْرِهُوا۟ فَتَيَـٰتِكُمْ عَلَى ٱلْبِغَآءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوا۟ عَرَضَ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا ۚ وَمَن يُكْرِههُّنَّ فَإِنَّ ٱللَّهَ مِنۢ بَعْدِ إِكْرَٰهِهِنَّ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾ (۵۱) یہاں پر ایک شاذ قراءت "فإن الله من بعد إكراهن (لهن) غفور رحيم." اس آیت میں ان باندیوں کا حکم بیان کیا جا رہا ہے، جن کو جبر و اکراہ کے ساتھ زنا کا شکار بنا دیا جائے اور اس میں یہ جو شرط ہے کہ اگر وہ پاک دامنی چاہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ اس صورت میں تو یہ اور بھی بڑا گناہ اور ظلم ہے، ورنہ اگر یہ کام ان کی رضامندی سے بھی کرایا جائے، تب بھی گناہ ہے اور اگر وہ یہ کام کسی کے مجبور کرنے سے کریں تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہ کو معاف کرنے والا ہے۔ اگر وہ بھی رضامندی سے کریں تو سوائے سچی توبہ کے ان کی معافی کی کوئی صورت نہیں ہے، چناں چہ اس سے قبل اللہ تعالیٰ

۴۹- محمد بن اسماعیل البخاری، صحيح البخاري، كتاب الدعوات، باب الدعاء على المشركين (بيروت: دارطوق النجاة، ۱۴۲۲ھ)، رقم:۶۳۹۶۔

۵۰- محمد بن عیسیٰ ابو عیسیٰ الترمذی، سنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب ما جاء في صلاة الوسطى (مصر: مصطفى البابي الحلبي، ۱۹۷۵ء)، ۱: ۳۳۹، رقم:۱۸۱۔

۵۱- القرآن ۲۴: ۳۳۔

فرماتے ہیں: ﴿ وَلَا تُكْرِهُوا۟ فَتَيَـٰتِكُمْ عَلَى ٱلْبِغَآءِ ﴾ (۵۲) (اور اپنی لڑکیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو۔) لیکن آیت کے اگلے حصے میں یہ وضاحت موجود نہیں ہے کہ آیا جو لوگ کسی عورت کو زبردستی زنا پر مجبور کر دیں، تو یہ مغفرت اور رحمت ان کے لیے ہے، یا صرف ان عورتوں کے لیے ہے؟ چناں چہ مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں: ”زنا ایسی بری چیز ہے جو جبر واکراہ کے بعد بھی بری رہتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ محض اپنی رحمت سے مکرہ کی بے بسی اور بے چارگی دیکھ کر درگزر فرماتا ہے۔ اس صورت میں زبردستی کرنے والے پر سخت عذاب ہو گا۔“(۵۳) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قراءت سے یہ معنی بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ مغفرت اور رحمت ان عورتوں کے لیے ہے جن کو مجبور کیا جائے، نہ کہ مجبور کرنے والوں کے لیے، کیوں کہ وہ پڑھا کرتے تھے: ﴿ فَإِنَّ ٱللَّهَ مِنۢ بَعْدِ إِكْرَٰهِهِنَّ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾ (۵۴)

تفسير مدارك التنزيل وحقائق التأويل (تفسير النسفي) میں ہے: ”ومن يكرهن فإن الله من بعد إكراهن غفور رحيم أي لهن أولهم إذا تابوا.“ (۵۵) یعنی یہ مغفرت اور رحمت کا حکم تو ان عورتوں ہی کے لیے ہے، لیکن مجبور کرنے والوں کی مغفرت بھی ہو سکتی ہے، اگر وہ توبہ کر لیں، چناں چہ اکثر مفسرین نے اس آیت کا یہی معنی بیان کیا ہے، اگرچہ کسی نے اس قراءتِ شاذہ کو ذکر کیا ہے اور بعض نے نہیں کیا ہے، جیسا کہ **معارف القرآن** میں مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قراءت شاذہ کے مطابق ترجمہ کیا ہے: ”اور جو کوئی ان پر زور کرے تو اللہ تعالیٰ ان کی بے بسی کے بعد بخشنے والا مہربان ہے، یعنی اگر مجبوری اور بے بسی کی حالت میں یہ گناہ کیا جائے، تو اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی امید ہے۔“(۵٦)

ج۔ قرآنی الفاظ کے مفہوم کا تعین کرنا

۵۲- القرآن ۲۴: ۳۳۔

۵۳- شبیر احمد عثمانی، **تفسیر عثمانی** (لاہور: تاج کمپنی، ۱۹۸۹ء)، ٦۱۱؛ القرآن ۲۴: ۳۳۔

۵۴- عبد الطیف الخطیب، **معجم القراءات** (قاہرہ: دار سعد الدین، ۲۰۰۰ء)، ٦: ۲٦۳؛ ۴: ۲۵۱۔

۵۵- عبد اللہ بن احمد النسفی، **مدارك التنزيل وحقائق التأويل** (لاہور: ۱۹۹۱ء)، ۲: ۵۰۵۔

۵٦- محمد ادریس کاندھلوی، **معارف القرآن** (شہداد پور: مکتبہ المعارف، ۱۴۲۲ھ)، ۵: ۱۲۵۔

کسی آیت کی تفسیر وتوضیح میں قراءتِ شاذہ کی بہت اہمیت ہے، مثلاً "والراسخون في العلم" کے الفاظ ما قبل آیت کا معطوف ہیں یا نیا جملہ ہے، ذیل کی مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ فَأَمَّا ٱلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمۡ زَيۡغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَٰبَهَ مِنۡهُ ٱبۡتِغَآءَ ٱلۡفِتۡنَةِ وَٱبۡتِغَآءَ تَأۡوِيلِهِۦۗ وَمَا يَعۡلَمُ تَأۡوِيلَهُۥٓ إِلَّا ٱللَّهُۗ وَٱلرَّٰسِخُونَ فِي ٱلۡعِلۡمِ يَقُولُونَ ءَامَنَّا بِهِۦ كُلٌّ مِّنۡ عِندِ رَبِّنَا ﴾[۵۷] یہ قراءتِ متواترہ یعنی قراے عشرہ کی قراءت ہے اور طاؤس رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اس طرح پڑھتے تھے: ﴿ وَمَا يَعۡلَمُ تَأۡوِيلَهُۥٓ إِلَّا ٱللَّهُۗ وَٱلرَّٰسِخُونَ فِي ٱلۡعِلۡمِ يَقُولُونَ ءَامَنَّا بِهِۦ ﴾[۵۸] جب کہ اعمش (کوفی ائمۂ قراءت میں سے ہیں) فرماتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس طرح پڑھتے تھے: "وإن حقيقة تأويله إلا عند الله والراسخون في العلم يقولون آمنا به."[۵۹]

ائمہ عشرہ کی قراءت میں دو معانی کا احتمال موجود ہے:

الف: "والراسخون في العلم" کو لفظ "الله" کا معطوف قرار دیا جائے اور "يقولون آمنا به" کو محل نصب میں حال بنایا جائے اس صورت میں معنی یہ ہو گا کہ "متشابہ آیات کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ اور علم میں پختہ کار علما کے سوا کوئی نہیں جانتا۔"

ب: "والراسخون في العلم" کو نیا جملہ قرار دیا جائے۔ اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہو گا کہ "جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے۔ وہ محکم آیات کو چھوڑ کر ہمیشہ متشابہ آیات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ حالاں کہ ان کا حقیقی مفہوم اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، لیکن وہ لوگ جو علم میں پختہ کار ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہمارا ان پر ایمان ہے، کیوں کہ یہ سب کچھ ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے۔"

۵۷- القرآن ۳: ۷۔

۵۸- القرآن ۳: ۷۔

۵۹- ابو بکر بن ابی داؤد، **کتاب المصاحف**، تحقیق: محمد بن عبدہ (قاہرہ: الفارق الحدیثۃ، ۲۰۰۲ء)، ۱: ۱۷۵۔

اور یہاں پر مؤخر الذکر مفہوم کی تائید شاذ قراءت سے واضح ہوتی ہے۔ اس معنی کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ قرآن کریم کا غالب اسلوب یہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ لفظ إلا سے کسی چیز کو اپنے لیے ثابت کرتا ہے اور کائنات سے اس کی نفی کر دیتا ہے تو اس کے بعد وہ مخلوق میں سے کسی کو اس میں شریک نہیں کرتا، اور قرآن کریم کا عام انداز یہی ہے، مثلاً ﴿ قُل لَّا يَعۡلَمُ مَن فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِ ٱلۡغَيۡبَ إِلَّا ٱللَّهُۚ وَمَا يَشۡعُرُونَ أَيَّانَ يُبۡعَثُونَ ﴾ [۶۰] جمال الدین قاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس مسئلے پر تفصیلی گفت گو کے بعد اسی موقف کو صحیح قرار دیا ہے۔[۶۱] نواب صدیق حسن خان رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام و تابعین وغیرہ کی اکثریت کا یہی مذہب نقل کیا ہے اور اسی کو صحیح قرار دیا ہے اور تائید میں امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ، [۶۲] امام رازی رحمۃ اللہ علیہ[۶۳] وغیرہ متعدد مفسرین کی عبارات نقل کی ہیں۔[۶۴] شیخ شنقیطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر **أضواء البیان** میں اس موقف کو صحیح قرار دیا ہے۔[۶۵] سورہ یونس کی آیت ۹۴ میں فرعون مصر کی لاش کا ذکر ہے۔ اس آیۂ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ فَٱلۡيَوۡمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنۡ خَلۡفَكَ ءَايَةٗۚ وَإِنَّ كَثِيرٗا مِّنَ ٱلنَّاسِ عَنۡ ءَايَٰتِنَا لَغَٰفِلُونَ ﴾[۶۶] یہاں قراءت متواترہ "نُنَجِّيكَ" ہے۔ قرائے عشرہ نے اس طرح پڑھا ہے۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اس کو "نُنَحِّيكَ" (حا کے ساتھ) پڑھا ہے اور یہ شاذ قراءت ہے۔ قراءت متواترۃ کے دو مفاہیم علمائے تفسیر نے بیان کیے ہیں:

۱- ہم تیری لاش کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لیں گے، تا کہ یہ بعد والوں کے لیے باعث عبرت بن سکے۔

۶۰- القرآن ۲۷: ۶۵۔

۶۱- جمال الدین القاسمی، **محاسن التاویل** (قطر: دار إحیاء التراث الإسلامي) ۲: ۱۸۴- ۱۸۵۔

۶۲- ابو محمد بن حسین بن مسعود البغوی، شافعی المسلک محدث اور مفسر تھے۔

۶۳- محمد بن عمر بن حسین، کنیت ابو عبد اللہ اور لقب فخر الدین ۵۴۴ھ کو "رے" میں پیدا ہوئے۔

۶۴- صدیق حسن خان، **فتح البیان في مقاصد القرآن**، (بیروت: المکتبة العصریة، ۱۹۹۲ء)، ۲: ۱۸۴۔

۶۵- محمد امین الشنقیطی، **أضواء البیان في إیضاح القرآن بالقرآن** (قاہرہ: مکتبة ابن تیمیة، ۱۹۹۵ء)، ۱: ۳۳۶۔

۶۶- القرآن ۱۰: ۹۲۔

۲- بعض بنی اسرائیل کو فرعون کی موت کے بارے میں شک ہوا تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا کہ وہ اس کا مردہ جسم صحیح سالم کسی بلند ٹیلے پر باہر نکالے، تاکہ قوم بنی اسرائیل اس کی ہلاکت کا یقین کر لے۔(۶۷)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر سلف کا موقف قرار دیا ہے اور یہاں مفسرین نے "نُنَجِّيْكَ" کا معنی "نلقيک على نجوة من الأرض، أي على مكان مرتفع من الأرض" (ہم تیرا جسم زمین میں کسی بلند جگہ پر ڈال دیں گے۔) بیان کیا ہے اور یہی مفہوم زیادہ راجح ہے، کیوں کہ اس کی تائید ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی شاذ قراءت سے ہو رہی ہے جو "التنحية" سے ماخوذ ہے، جس کا معنی یہ ہے "نلقيک فيما يلي البحر"، یعنی ہم تجھے سمندر کے کنارے پھینک دیں گے۔(۶۸) اور فرعون کی لاش کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کرنے والا معنی درست نہیں، کیوں کہ آج سے کئی سال پہلے فرعون کی جو لاش بر آمد ہوئی ہے، اس کے بارے میں حتمی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ واقعی وہی فرعون ہے جس کا مقابلہ موسیٰ علیہ السلام سے ہوا ہے اور اگر بالفرض ہو بھی تو آیتِ کریمہ کا یہ منشا نہیں ہے اور اس کی کئی وجوہات ہیں:

۱- شاذ قراءت اس مفہوم کے خلاف ہے۔

۲- اگر ہم اس کی لاش کو نمونۂ عبرت قرار دیتے ہیں تو پھر لمن خلفک آية کا تقاضا پورا نہیں ہوتا۔ آج سے سو سال پہلے اس لاش کا کسی کو علم نہیں تھا اور یقین سے ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ فرعون وہی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے مقابل تھا۔

۳- اللہ تعالیٰ نے اس بات کو اپنی قدرتِ کاملہ کا مظہر قرار دیا کہ ہم نے اس کی لاش کو سمندر کی تہوں سے نکال کر اونچے ٹیلے پر پھینک دیا، تاکہ بنی اسرائیل اس جھوٹے "رب اعلیٰ" کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور یہ واقعہ بہ طور یادگار آئندہ نسلوں کے لیے عبرت بن جائے اور اگر ہم اس سے فرعون کی

۶۷- عبداللہ الشوکانی، فتح القدير، مراجعہ، یوسف الغوش (بیروت: دار المعرفة، ۱۹۹۵ء)، ۶: ۵۸۔

۶۸- الشوکانی، نفس مرجع، ۲: ۵۸۸۔

لاش کا ہمیشہ کے لیے محفوظ ہونا مراد لیتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظہر نہیں بن سکتا، کیوں کہ اسی طرح کی سینکڑوں دوسری ممیاں بھی قاہرہ کے عجائب خانوں میں حنوط شدہ موجود ہیں۔

تو یہ معنیٰ "نلقیک علی نجوة من الأرض"، (ہم تیرے جسم کو بلند ٹیلے پر ڈال دیں گے) زیادہ راجح ہے۔

ح۔ مشکلات القرآن کی توضیح میں معاونت فراہم کرنا

مشکلات القرآن سے مراد وہ آیات ہیں جن کا فہم مشکل ہو۔ شاذ قراءات کی مدد سے ان کے فہم اور معنی کے تعین میں بہت مدد ملتی ہے، مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ آیتِ کریمہ ﴿ حَتَّىٰٓ إِذَا فُتِحَتۡ يَأۡجُوجُ وَمَأۡجُوجُ وَهُم مِّن كُلِّ حَدَبٍ يَنسِلُونَ ﴾ [۶۹] کی متواتر قراءت میں "حَدَبٍ" ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے (جیم اور ثا کے ساتھ) "جَدَثٍ" پڑھا ہے۔ (حَدَبْ) کہتے ہیں: "کل أکمة من الأرض مرتفعة" [۷۰] (زمین کا بلند ٹیلا)؛ لہٰذا معنی ہو گا کہ "قوم یاجوج وماجوج کے لوگ ہر ٹیلے سے نکل پڑیں گے۔" اس صورت میں "هُمْ" ضمیر کا مرجع یاجوج ماجوج ہوں گے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت "جدث" ہے [۷۱] اور جدث قبر کو کہتے ہیں، یعنی لوگ روز محشر اپنی قبروں سے نکل پڑیں گے، اس صورت میں "هم" کا مرجع عام انسان ہیں۔

متواتر اور شاذ قراءتوں کے معنوں میں بہ ظاہر کوئی مطابقت نظر نہیں آتی، لیکن غور کیا جائے تو دونوں میں مطابقت ہے، مثلاً پہلے قیامت کی نشانیوں میں ایک قریب ترین نشانی، یاجوج ماجوج کا تذکرہ ہوا ہے اور اس کے بعد قیامت کے برپا ہونے کا منظر دکھایا گیا ہے۔ جس کی تائید اس آیت سے بھی ملتی ہے: ﴿ وَنُفِخَ فِي ٱلصُّورِ فَإِذَا هُم مِّنَ ٱلۡأَجۡدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمۡ يَنسِلُونَ ﴾ [۷۲]

۶۹- القرآن ۲۱: ۹۶۔

۷۰- الشوکانی، مرجع سابق، ۳: ۵۳۳۔

۷۱- ابو حیان محمد بن یوسف الاندلسی، **البحر المحیط**، تحقیق: صدقی محمد جمیل (بیروت: دار الفکر، ۱۴۲۰ھ) ۶: ۳۳۹۔

۷۲- القرآن ۳۶: ۵۱۔

البحر المحیط کے مصنف کے نزدیک آیت میں تقدیم اور تاخیر ہے، یعنی "حتى إذا فتحت يأجوج ومأجوج، اقترب الوعد الحق،وهم أي العالم من كل جدث ينسلون شاخصة أبصار الذين كفروا."[۷۳] (جب یاجوج وماجوج کھول دیے جائیں گے، تو سمجھ لو کہ وعدۂ برحق کے پورا ہونے کا وقت قریب آگیا ہے۔ اس کے بعد کائنات کے لوگ اپنی قبروں سے نکل پڑیں گے اور ان کی آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی، جنھوں نے کفر کیا۔)

دونوں قراءات میں کوئی تعارض نہیں، بلکہ معنی اور مفہوم کی وسعت ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں قراءتوں میں "هُمْ" ضمیر یاجوج ماجوج ہی ہوں۔

۲- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوۡمِ ٱلۡجُمُعَةِ فَٱسۡعَوۡاْ إِلَىٰ ذِكۡرِ ٱللَّهِ ﴾[۷۴]

قراءت متواترہ میں "فاسعوا إلى ذكر الله" ہے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اس کو "فامضوا إلى ذكر الله" پڑھا ہے۔ "فاسعوا" کے مفہوم کے بارے میں حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ اس سے مراد قدموں کی سعی نہیں، بلکہ دلوں اور نیت کی سعی مراد ہے۔ اس طرح کچھ مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد عمل ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنۡ أَرَادَ ٱلۡأٓخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعۡيَهَا وَهُوَ مُؤۡمِنٞ ﴾[۷۵] بعض مفسرین نے سعی بالاقدام مراد لیا ہے اور بعض نے اس سے قصد مراد لیا ہے اور بعض نے "الذهاب والمشي والمضي."[۷۶] یعنی سکون اور وقار کے ساتھ عام معمول کے مطابق چلنا مراد لیا ہے اور قراءتِ شاذہ "فامضوا" کا معنی بھی سکون اور وقار سے چلنا ہے۔ حافظ ابن عبد البر نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس قراءت کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: "قد احتج مالك في هذا الباب لمعنى السعي في هذا

۷۳- ابوحیان، مرجعِ سابق، ۶: ۳۳۹۔

۷۴- القرآن ۶۲: ۹۔

۷۵- القرآن ۱۷: ۱۹۔

۷۶- الشوکانی، مرجعِ سابق، ۵: ۲۵۸۔

الموضع أنه ليس الاشتداد والإسراع."[۷۷] (امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں لفظ "سعی" کے مفہوم کی وضاحت کے لیے اس قراءت شاذہ سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس سے مراد دوڑ کر جانا نہیں ہے۔) قراءتِ متواترہ "فاسعوا" کے معنی میں نماز جمعہ کے لیے دوڑ کر جانے کا واضح احتمال موجود ہے، لیکن شاذ قراءت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں "فاسعوا" سے مراد دوڑ کر جانا نہیں، بلکہ سعی اور مشی سے سکون اور وقار سے چلنا مراد ہے اور یہ مفہوم حدیث سے بھی ثابت ہے "إذا أقيمت الصلوة فلا تأتوها تسعون وأتوها تمشون وعليكم السكينة ما أدركتم فصلوا وما فاتكم فأتموا."[۷۸] (جب نماز کھڑی ہو جائے تو دوڑ کر نہ آؤ، بلکہ سکون اور وقار کے ساتھ چل کر آؤ، جس قدر مل جائے پڑھ لو اور جو رہ جائے اسے مکمل کر لو۔)

نتائج:

۱۔ اس بحث سے معلوم ہوا کہ شاذ قراءات، قرآنی آیات کے مشکل مقامات کی توضیح و تشریح کرنے میں بہت معاون ثابت ہو سکتی ہیں۔ ان کا تعلق علوم القرآن کی مختلف ابحاث کے ساتھ ہے لیکن ان کا زیادہ اثر علم التفسیر پر ہے۔ قدیم کتبِ تفسیر میں قراءاتِ متواترہ کے ساتھ ساتھ متعدد قراءاتِ شاذہ کا تذکرہ بھی موجود ہے اور حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر، قراءات کی وضاحت اور علوم عربیہ میں ان کا ایک اہم کردار ہے مثلاً **تفسير سفيان الثوري**، جو کہ تفسیر قرآن پر اولین کتب میں سے ہے، میں قراءات کے بارے میں متعدد روایات ہیں۔ انھوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور مجاہد وغیرہ سے قراءات نقل کی ہیں۔[۷۹] اسی طرح **معاني القرآن** (ابو زکریا یحییٰ بن زیاد بن عبداللہ الدیلمی الفراء

۷۷۔ ابن عبد البر، **الاستذ کار** (دمشق: دار قتيبة للطباعة والنشر، ۱۹۹۳ء)، ۵: ۵۲۔

۷۸۔ البخاری، **صحيح البخاري**، كتاب الجمعة، باب المشي إلى الجمعة، ۲: ۸، رقم: ۹۰۹۔

۷۹۔ یہ تفسیر سفیان بن سعید الثوری (م ۱۶۱ھ) کے تفسیری اقوال کی جمع و تالیف پر مشتمل ہے اور دار الکتب العلمیہ، بیروت سے ۱۴۰۳ھ میں شائع ہوئی تھی۔

(ت۲۰۷ھ) [۸۰] میں بھی مصنف نے متعدد قراء ات شاذہ سے استفادہ کیا ہے، جن کی طرف قراء بعضھم اور قراء بعض القراء کہہ کر یا شاذ قرّاء کی جانب نسبت کر کے اشارہ کیا گیا ہے، بلکہ بعض جگہ تو قرّا کے لیے "شاذ" کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔[۸۱]

۲- اس طرح **غریب القرآن** میں ابن قتیبہ نے شاذ قراءات کا ذکر کیا ہے اور **جامع البیان عن تأویل آي القرآن** (ابو جعفر محمد بن جریر الطبری (ت ۳۱۰ھ)) نے آیات کے مفہوم میں قراءات کے بیان کا خصوصی اہتمام کیا ہے۔ اسی طرح ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن حیان الاندلسی نے (**تفسیر البحر المحیط**) میں قراءات متواترہ کے ساتھ ساتھ قراءات شاذہ کا بھی کثرت سے ذکر کیا ہے۔ کتب تفسیر میں یہ کتاب اس لحاظ سے ممتاز حیثیت کی حامل ہے کہ اس میں مصنف نے نہایت اہتمام کے ساتھ قراءات متواترہ اور شاذہ کو ذکر کرنے کے بعد ان سے استدلال بھی کیا ہے۔ اس تفسیر میں قراءات کا ایک وافر ذخیرہ موجود ہے اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب توجیہ القراءات، اعراب القرآن وغیرہ کے موضوع پر تحقیق کرنے والوں کے لیے ایک اہم مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ دیگر کتب تفسیر مثلاً **الکشاف** ، **تفسیر القرطبي**، **درالمنثور**، **تفسیر الجلالین** اور **فتح القدیر** وغیرہ میں بھی قراءات متواترہ کے علاوہ قراءات شاذہ کا ذکر موجود ہے اور ان قراءات شاذہ کا تفسیری ادب پر گہرا اثر تھا، ہے اور رہے گا۔

۳- قراءات کے اختلاف کی وجہ سے کبھی معنی بھی بدل جاتے ہیں۔ لہٰذا متواتر قراءات مفسرین و فقہاء کی توجہ کا مرکز رہی ہیں۔ بعض مفسرین کا طرز عمل یہ رہا ہے کہ وہ متواتر قراءتوں میں بعض کو بعض پر معنوی اعتبار سے ترجیح دیتے ہیں، یا بعض اوقات کسی قراءات کو رد کر دیتے ہیں، لیکن جمہور مفسرین و علما نے اس طرز عمل کو ناپسند کیا ہے، کیوں کہ یہ قراءات متواتر ہیں۔

۴- شاذ قراءات قرآن کا حصہ نہیں ہیں، تاہم ان کو تفسیر میں بہت اہمیت حاصل ہے، خاص طور پر جب کوئی شاذ قراءت صحیح سند کے ساتھ منقول ہو تو اس کو خبر واحد کے طور پر قبول کیا جاسکتا ہے۔ شاذ قراءات کی حجیت میں اختلاف ہے، احناف کے نزدیک یہ خبر واحد کے درجے میں حجت ہیں، حنابلہ کے نزدیک بھی یہی راجح

۸۰- ابوزکریا یحیٰ بن زیاد الفراء، مقدمة معاني القرآن (دار السرور)، ۱: ۵۔

۸۱- الفراء، نفس مصدر، ۲: ۳۸۵

ہے۔ بعض مالکیہ اور امام شافعی سے ایک روایت کے مطابق یہ حجت نہیں ہیں، لیکن بہ ہر حال علما اور مفسرین نے ان کو یکسر نظر انداز نہیں کیا ہے، بلکہ بعض مواقع پر شاذ قراءات سب کے نزدیک حجت بن جاتی ہیں۔

❀❀❀❀❀❀